ڈاکٹر محمد عامر اقبال* ڈاکٹر سبینہ اویس اعوان**

اقبالیات کے فروغ میں گیان چند کی خدمات: تنقیدی جائزہ

Services of Gian Chand for promoting Iqbal Studies: A reviewcritical

Abstract:

Gyan Chand belonged to the field of education and teaching. Research and criticism was his special field .His scholarly and literary services could not be fully recognized. He wrote on the principles and problems of research at that time when it was rarely written in India. Gyan Chand knew the language of research. He believed that knowledge increased after research. He created the trend of searching books for research. In his research, you can observe the signs of understanding Iqbal Studies. He provided excellent sources for research. He expanded the scope of his books through research. Through research in Urdu literature and Iqbaliat, his academic status improved. His writings are a collection of references, information, research, and confirmation and somewhere Iqbal's references are also present in them. You have highlighted Iqbal's intellectual and artistic qualities in his research. He liked Urdu more than Hindi. The results of the research are not final.His book was misleading. Critics consider that his arguments do not meet research standards. Critics consider that Iqbaliat was neither his domain. Nor he had harmony with Iqbal Studies. He created hatred in the hearts of Indians about Iqbal. Despite all of this, your research cannot be denied. Qaratul Ain Haider's death also suppressed the mourning of his death. His reputation has conflicting opinions. By studying this article, students of Urdu literature and Iqbal Studies will

*پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلوشپ، آئی آر آئی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
**ایسوسی ایٹ پروفیسر، چیئرپرسن اقبال چیئر، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی سیالکوٹ، سیالکوٹ

be well aware of his research and critical endeavors. Study of this article will provide an excellent source.

KEYWORD: Research, Criticism, Recognized, References, Misleading, Hatred

گیان چند جین کا تعلق تعلیم و تدریس کے شعبے سے تھا۔ تحقیق و تنقید آپ کا خاص میدان تھا۔ آپ کی علمی اور ادبی خدمات کا اعتراف پورے طور پر نہیں ہو سکا۔ آپ نے تحقیق کے اصول اور مسائل پر اس وقت لکھا جب ہندوستان میں اس پر بہت کم لکھا گیا تھا۔ گیان چند تحقیق کی زبان جانتے تھے۔ آپ تحقیق کے بعد علم میں اضافے کے قائل تھے۔ آپ نے تحقیق کے لیے کتابوں کی تلاش کا رجحان پیدا کیا۔ آپ کی تحقیق میں اقبال فہمی کے اشارے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ گیان چند جین نے ہر قسم کی تحقیق کے لیے عمدہ مآخذ فراہم کیے۔ آپ نے تحقیق کے میدان میں عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے اپنی تصانیف کی حدود کو وسعت عطا کی۔ اردو ادب اور اقبالیات میں تحقیق سے گیان چند کے علمی مرتبے میں اضافہ ہوا۔ آپ کی تصانیف، حوالوں، معلومات، تحقیق اور تصدیق کا مجموعہ ہیں اور ان میں کسی نہ کسی طرح اقبال کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ آپ نے اپنی تحقیق میں اقبال کے فکری اور فنی خوبیوں کو اجاگر کیا۔ آپ کو ہندی سے زیادہ اردو اچھی لگتی تھی۔ تحقیق کے نتائج حرفِ آخر نہیں ہوتے۔ ابتدائی کلامِ اقبال کو گمراہی کا باعث قرار دیا گیا۔ ناقدین کے خیال میں گیان چند کے دلائل تحقیقی معیار پر پورا نہیں اترتے۔ نقاد کہتے ہیں کہ اقبالیات آپ کا میدان نہ تھا۔ اور نہ اقبالیات سے ہم آہنگی تھی۔ گیان چند نے ہندوستانیوں کے دل میں اقبال سے متعلق نفرت پیدا کی۔ اس سب کے باوجود آپ کی تحقیق کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ قرۃ العین حیدر کی موت نے آپ کی وفات کا سوگ بھی دبا دیا۔ آپ کی شہرت متضاد رائیں رکھتی ہے۔ اس مضمون کے مطالعہ سے اردو ادب اور اقبالیات کے طلباء آپ کی تحقیقی اور تنقیدی کاوشوں سے بہ خوبی آگاہی حاصل کریں گے۔ اس مضمون کا مطالعہ عمدہ مآخذ فراہم کرے گا۔

گیان چند جین 19۔ستمبر 1923ء کو سیوہارہ، ضلع بجنور، یوپی، ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے پڑدادا حکمت کرتے تھے اور فارسی کے عالم تھے۔ وہ شاعری بھی کرتے تھے۔ گیان چند جین کی تعلیم کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔ آپ نے مختلف اداروں سے تعلیم حاصل کی اور حمیدیہ کالج بھوپال میں اردو کے لیکچرار بنے۔ آپ پروفیسر کے عہدے تک پہنچے۔ میسور کے ڈگری کالج میں بہ طور پرنسپل بھی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔ جموں کشمیر یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی میں بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کو اردو زبان وادب کا نامور محقق اور ادیب قرار دیا جاتا ہے۔ داستان، مثنوی اور تاریخ اردو سے آپ کو بہت دلچسپی تھی۔ آپ کو اس صف کا سکالر سمجھا جاتا تھا جس میں حافظ محمود شیرانی، ڈاکٹر سید عبداللہ اور قاضی عبدالودود جیسے چند محقق نظر آتے ہیں۔ کسی بھی محقق کے علمی و ادبی کارناموں کا جائزہ لینا مقصود ہو تو پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جان پیدا کرنی چاہیے یعنی جائزہ لینے والے کی قابلیت بھی بے مثال ہونی چاہیے۔ گیان چند جین کے بارے میں کچھ لوگوں کو یہ شکوہ رہا ہے کہ:

> "ان کے علمی کارناموں کا جائزہ لینے کے لیے علمی مزاج اور علم و تحقیق کے اطوار و آداب سے شناسائی ضروری ہے۔ اس لیے پروفیسر گیان چند کی علمی خدمات کا اتنا

اعتراف ابھی تک نہیں ہوا جتنا ہونا چاہیے"(1)

گیان چند جین کی ادبی خدمات پر نگاہ ڈالیں تو مثنوی اور داستان پر آپ کا بے مثال کام نظر سے گزرے گا۔ آپ لسانیات کے بھی ماہر تھے۔ عروض پر بھی آپ گہری نگاہ رکھتے تھے۔ اردو کے کلاسیکی ادب سے آپ کو اعلیٰ درجے کی واقفیت تھی۔ آپ کا شمار اہلِ زبان میں ہوتا تھا اس لیے آپ کو زبان دان بھی کہتے تھے۔ بہ طور ناقد اور محقق بھی آپ کی خدمات تحقیق و تنقید کے میدان میں اردو ادب کے طلباء کی رہنمائی کا وسیلہ اور بہترین ماخذ ہیں۔

ہندوستان میں تحقیق اور اس کے اصول و مسائل پر بہت کم لکھا گیا اس لیے گیان چند کی تصنیف "تحقیق کا فن" مایہ ناز بھی قرار پائی اور اس کی اہمیت میں بھی گراں قدر اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ گیان چند جین خود کئی مرتبہ تحقیق کے کانٹوں بھرے راستے سے گزرے ہیں اور پھر اپنے تحقیقی نتائج سے دنیا کو آگاہ بھی کیا ہے۔ آپ کی تحقیقی اور تنقیدی تصانیف میں "تفسیرِ غالب"، "ابتدائی کلامِ اقبال"، "اردو کی نثری داستانیں"، "اردو مثنوی شمالی ہند میں" اور "ایک بھاشا۔ دو لکھاوٹ، دو ادب" بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ کی ان تصانیف کو تحقیق کا معیار اور اعتبار کہنا بالکل درست ہوگا۔ آپ نے "تحقیق کا فن" میں تحقیق کے بہت سے اہم مباحث پر گفتگو کی ہے۔ ابتدا، تمہید، تفصیل، اختتام اور نتائج میں آپ نے نہایت سلیقہ شعاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ ڈاکٹر طارق ہاشمی نے گیان چند جین کی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "جس طرح تحقیق کی ایک زبان ہوتی ہے۔ اسی طرح تحقیق سمجھانے کے لیے بھی ایک زبان ہوتی ہے اور گیان چند اس زبان سے آگاہ ہی نہیں اس پر عبور بھی رکھتے ہیں۔ اس اعتبار سے انہوں نے اس کتاب میں بہت پیچیدہ مباحث کو بھی سہل انداز میں پیش کیا ہے"
> (2)

"تحقیق کا فن" کو بائیس (22) ابواب کی خوبصورت لڑی میں سمویا گیا ہے۔ ہر باب بے مثال اور باوقار معلومات سے بھرپور ہے۔

تحقیق اور تنقید کے حوالے سے راہنمائی اور ضرورت کی ہر چیز اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ تحقیق کی تعریف سے بات شروع ہوتی ہے، تحقیقی مقالے کے موضوع سے آگے چلتی ہوئی، خاکہ بنانا، مواد کی فراہمی، مواد، تحقیق کے لیے ادیب کا انتخاب اور تعارف، ادبی تاریخ، متن کی تدوین، حوالے کی کتابیں، یہاں سے آگے بڑھتی ہوئی مقالہ داخل کرنے کے عمل تک بہت ہی مدلل معلومات دستیاب ہے۔ تحقیق کا موضوع ایسا ہونا چاہیے جس سے علم میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور ہو اور اس کی اشاعت کے بعد قارئین کی اس میں دل چسپی بھی ضرور ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ سکالر اس موضوع پر کام بھی پورا کرے۔ اگر شاعر ادیب پر مقالہ لکھنا ہو، نثر نگار پر لکھنا ہو یا ایسی شخصیت جس میں دونوں خوبیاں ہوں اور ساتھ ہی تاریخی حیثیت بھی اس شخصیت کی پہچان ہو تو پھر سب کے حوالے سے لکھنے کا انداز مختلف ہوگا۔ اس حوالے سے گیان چند جین نے بھرپور مواد فراہم کیا ہے۔ کسی بھی سکالر کے لیے مواد کی فراہمی سب سے مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ گیان چند جین نے بہت خوبصورت انداز سے رہنمائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "کتابیں ہوں کہ مخطوطات، اردو میں تو انہیں تلاش کر کر کے فراہم کرنا ہی سب سے بڑی ریسرچ ہے۔ علم کے ہر پیاسے کو کنواں کھودنا ہوتا ہے یا پرانے کنوؤں میں بانس ڈالنے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بڑی بڑی لائبریریوں ہی میں جا کر تلاش کی جا سکتی

ہے۔ لیکن بعض اوقات چھوٹی لائبریریاں بھی کچھ پرانی کتابیں یا مخطوطات اپنے دامن
میں چھپائے ہوتی ہیں۔۔۔ دلی، لکھنؤ، حیدر آباد اور ممبئی میں پرانی کتابوں کے تاجروں
کے ذخیرے میں تلاش کیجیے۔ ہو سکتا ہے ان کے پاس آپ کی موجودہ ضرورت کی
کتاب نہ ملے لیکن کوئی دوسری نادر کتاب مل جائے گی"(3)

تحقیق کے ساتھ ساتھ گیان چند جین کی اقبال فہمی کے اشارے بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ "تحقیق کا فن" جہاں تحقیقی خوبیوں سے پُر ہے اور طلباء کی رہنمائی کرتی ہے وہاں اقبالیات کے لیے مستند اشارے بھی نظر سے گزرتے ہیں۔ اس طرح اقبالیات کے حوالے سے تحقیق و تنقید کے لیے بھی گیان چند جین نے عمدہ مآخذ مہیا کیے ہیں۔ ڈاکٹر اکبر حیدری نے اپنے مضمون میں اقبال کے دو خطوط کا حوالہ دے کر کچھ باتیں لکھی تھیں۔ یہ خطوط اقبال نے عطیہ فیضی کے نام لکھے تھے۔ اقبال کی نظم نوائے غم اور عاشق ہر جائی کے زمانۂ تصنیف کا ذکر اس مضمون میں کیا گیا ہے۔ اکبر حیدری نے اپنے مضمون میں "اقبال نامہ" کے صفحہ کا حوالہ بھی دیا تھا۔ مگر جب گیان چند جین نے تحقیق کی تو من و عن وہ الفاظ نہ تھے۔ کچھ ملتی جلتی باتیں ضرور لکھی تھیں۔ نظم عاشق ہر جائی کا اس میں نام تک نہ تھا۔ یہ صرف قیاس ہے کہ اس نظم کا ذکر کیا گیا ہو گا۔ گیان چند جین نے اس حوالہ سے ڈاکٹر اکبر حیدری کو لکھا تو انہوں نے جواب دیا کہ:

"اقتباسات طاہر تونسوی کی کتاب سے لیے تھے"(4)

اس طرح اقبالیات کے حوالے سے تحقیق کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں اور گیان چند جین کی اقبالیات سے دل چسپی کے اشارے ملتے ہیں۔ اس لیے یہ کتاب نہ صرف اردو اور اقبالیات بلکہ ہر طرح کی تحقیق میں طلباء کی رہبری کے لیے مستند کتاب ہے۔ گیان چند جین نے اس میں تحقیق کے حوالے سے بہت ہی اہم عنوانات پر تفصیلی قلم اٹھایا ہے۔ اور مثالیں دے کر وضاحت اور تفصیل سے بھی کام لیا ہے۔

گیان چند جین نے تحقیق کے میدان میں عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے اپنی تصانیف کی حدود کو وسعت دی۔ ان کی ایک تحقیقی کاوش "اردو مثنوی شمالی ہند میں" بھی نظر سے گزرتی ہے۔ اس کتاب میں جو تنقیدی اور تنقیدی مواد درج ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ گیان چند جین نے اس کے لیے ہفت کشور آسمان سر کیا ہے۔ یہ تحقیقی تصنیف گیان چند جین کے علمی اور ادبی رتبے میں اضافہ کرتی ہے اور ان کے صاحبِ بصیرت ہونے کی دلیل ہے۔ گیان چند جین نے تحقیق و تنقید کی راہوں پر گامزن ہو کر خوب محنت کی اور بہت سی نئی چیزیں دریافت کرنے میں کامیاب ہوئے۔ لکھتے ہیں:

"اس کام کے سلسلے میں ہزار سے زیادہ مثنویوں سے تعارف ہوا۔ ان میں تقریباً دو سو
غیر مطبوعہ ہیں۔ میر کی تین اور امیر مینائی کی ایک طویل مثنوی کی دریافت میرے لیے
سب سے اہم ہے"(5)

یہ تین مثنویاں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اپنے نسخے "کلیاتِ میرؔ" میں شامل کرتے ہوئے بہت سے لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے گیان چند جین کا نام بھی لیا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے لکھا تھا کہ:

"میرؔ صاحب کے مراثی اور تین نئی مثنویاں جو اس سے قبل کلیاتِ میر کے کسی ایڈیشن
میں شائع نہیں ہوئیں۔ ان کو میں نے اس نسخے میں شامل کر دیا ہے اور میں اس کے

لیے پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب، مسیح الزماں صاحب اور ڈاکٹر گیان چند صاحب کا ممنون ہوں"(6)

گیان چند جین نے مثنوی اور داستان کے حوالے سے اپنی تصنیف "اردو مثنوی شمالی ہند میں" کو عمدہ حوالوں، معلومات، تحقیق اور تصدیق سے بہت بڑا خزانہ بنا کر پیش کیا ہے۔ مثنویاں عشق و محبت کے عمیق سمندر میں ڈوبی ہوئی دل آویز داستانیں ہوا کرتی ہیں۔ ان کے ہیرو نہ صرف عشق پیشہ ہوتے ہیں بلکہ کچھ شعراء کی مثنویوں کا مرکزی کردار تو بہت ہی آگے ہوتا ہے۔ گیان چند جین نے ایسے ہیرو کو ہوس پیشہ قرار دیا ہے۔ وہ عاشق کم ہوتے ہیں۔ ان سے عشق سرزد نہیں ہوتا بلکہ جرم سرزد ہو جاتا ہے۔ کچھ شعراء کی محبت بھری مثنوی عدالت فوجداری کے کسی مقدمے کی مسل معلوم ہوتی ہے۔ گیان چند جین نے مرزا شوق کی شہرت کا ذکر کرتے ہوئے اسے اتنا مقبول قرار دیا کہ دیگر مثنوی نگاروں نے ان کی تقلید کو اپنے لیے باعثِ فخر جانا۔ اس طرح مثنوی میں جنسی جذبات پیش کیے گئے۔ گیان چند جین نے اقبال کے حوالے سے ایک بہت اہم بات پیش کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"اقبال نے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس کی گردن پر عورت کے سوار ہونے کا ماتم کیا تھا"(7)

گیان چند جین نے "اقبال کے اردو کلام کا عروضی نظام" کے عنوان سے ایک مضمون قلم بند کیا تھا۔ اس مضمون کے بہت سے اشارے ان کی تصنیف "اردو مثنوی شمالی ہند میں" سے ملتے ہیں۔ اس تصنیف میں موجود بہت سے شعراء کی مثنویوں کے حوالے اقبال کی مثنویوں کے ساتھ مماثلت کے طور پر بھی پیش کیے گئے ہیں۔ فردوسی کے "شاہ نامہ"، نظامی کے "سکندر نامہ"، سعدی کی "بوستان" کا وزن اور میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" کا وزن دیکھ کر گیان چند جین نے اقبال کی مثنوی "ساقی نامہ" جو کہ بالِ جبریل میں ہے اور اس کے کل ننانوے (99) اشعار ہیں، اس کی ہئیت درج بالا مثنویوں کے مماثل قرار دی ہے۔ اس کے ساتھ بہت سے اوزان کے حوالے دے کر متعدد نظموں کے اور اشعار کے حوالے دے کر اقبال کی فکری اور فنی خوبیوں کو اجاگر کیا ہے۔ گویا تحقیق و تنقید کے ساتھ ساتھ اقبال فہمی کے جوہر بھی دکھائے ہیں۔ ایک وزن کا حوالہ دیتے ہوئے اقبال کی شان میں اس انداز سے طبع آزمائی کرتے ہیں کہ قابل اور ماہر اقبال شناس ہی اس طرح کی فنی اور فکری خوبیوں پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"زیرِ نظر وزن کو میں مفکر اقبال کی آواز کہوں گا۔ اس وزن کا مزاج بالکل غیر ہندی ہے۔ اقبال کے علاوہ اردو کے دوسرے شعراء نے بہت ہی کم استعمال کیا ہے۔ اقبال کی بدولت ہی اردو اس سے روشناس ہوئی۔ میں اقبال کی نظموں میں مسجدِ قرطبہ کو سب سے زیادہ عظیم سمجھتا ہوں اور یہ نظم اور اس کے ساتھ کی نظم "دعا" اسی دشوار گزار نظم میں ہے۔ نظم میں فکر کی جو رفعت و عظمت ہے"(8)

گیان چند جین کی فکری اور فنی جدوجہد پر غور کریں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحقیق و تنقید کے ساتھ ساتھ اقبالیات کے میدان میں بھی آپ کی خدمات لازوال ہیں۔ رشید احمد صدیقی پرانی قدروں کے حامی تھے۔ آپ ماضی اور اہلِ ماضی کی خدمات پر گہری نظر رکھتے تھے اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ گیان چند جین نے آلِ احمد سرور کے حوالے سے رشید احمد صدیقی کے اس رویے کو مشرقیت کہا اور لکھا کہ:

"رشید صاحب پر اقبال کا اثر اچھا نہیں ہوا۔ ان کی مشرقیت اور گہری ہو گئی"(9)

آلِ احمد سرور کے الفاظ یہاں الفاظ اس انداز سے درج نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک رشید احمد صدیقی اردو اور فارسی ادب سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ اس سوال کا جواب تو بہر حال مشکل ہو جاتا ہے کہ رشید احمد صدیقی کا نظریہ کیا تھا؟ لیکن یہ ضرور واضح ہے کہ آپ ادب کو زندگی کے لیے اور زندگی کو معقولیت کے لیے لازم وملزوم قرار دیتے تھے۔ رشید احمد صدیقی کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا اور انہوں نے انگریزی ادبیات کا مطالعہ بھی گہرائی سے کیا تھا۔ آپ کے یہاں کچھ مغربی ادباء سے متاثر ہونے کے بھرپور اشارے بھی ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ غالب کی تراکیب اور غالب کے فقرے بھی رشید احمد صدیقی کو بہت مرغوب تھے۔ آلِ احمد سرور لکھتے ہیں کہ غالب کے بعد رشید احمد صدیقی اقبال اور اکبر سے متاثر ہوئے تھے۔

> " غالب کے بعد اقبال اور اکبر سے رشید صاحب متاثر ہوئے ہیں. اکبر کی طرح وہ بھی مشرقیت کے دلدادہ ہیں. دونوں کا مشرقیت کا تصور جذباتی زیادہ ہے فکری کم ہے. دونوں کی نظر مغرب کی بعض خصوصیات پر گہری پڑی ہے مگر دونوں مغربیت کا صحیح اور جامع تصور نہیں کر سکتے. اقبال کی مشرقیت میں یہ بات نہیں. ان کے یہاں ایک مخصوص شوخی ہے جو ہے تو منفرد لیکن جو اقبال، غالب، سجاد انصاری اور فلک پیما کی شوخی سے ملتی جلتی ہے "(10)

اس میں رشید احمد صدیقی کی مشرقیت پسندی کا ایسا کوئی پہلو سامنے نہیں آتا جس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کریں کہ اقبال کی مشرقیت کا رشید احمد صدیقی پر اچھا اثر نہیں ہوا۔ مگر یہ پہلو ضرور سامنے آتا ہے کہ گیان چند جین اقبال فہمی اور اقبالیات کا روشن ستارہ ضرور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اقبالیات کے ابتدائی کلام کی تحقیق و تدوین کی۔ اس کوشش کے باعث آپ کو اقبال شناس کہنا بھی غلط نہ ہو گا۔ آپ کی کوئی تصنیف شاید ہی ایسی ہو جس میں اقبال کے حوالے سے کوئی بات شامل نہ ہو۔ اپنی مرتبہ "ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیب مہ وسال" کے منظرِ عام پر آنے سے آپ کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ اقبالیات کے طلباء کو اس صورت میں ایک ماخذ میسر آیا اور فکرِ اقبال کے لیے تفسیر، تحقیق، اور تنقید کے نئے موضوعات کا راستہ ہموار ہوا۔

گیان چند جین ماہر لسانیات بھی تھے اور لسانیات پر بھرپور عبور بھی رکھتے تھے۔ مسائل پر گہری نظر رکھتے تھے اور مدلل انداز سے اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ آپ تحقیق تک ہی محدود نہ تھے بلکہ لسانیات کے اہم ترین موضوعات پر بھی قلم اٹھایا اور زبان وادب کے طلباء کو موثر ماخذ فراہم کیے. کوئی بھی تحقیقی و تنقیدی کام بہر حال اعلیٰ جماعتوں میں ماخذ کے طور پر ہی کام آتا ہے۔

گیان چند جین کے علمی، ادبی اور تحقیقی کارناموں پر نگاہ ڈالیں تو ان کی تصنیف "ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب" بھی سامنے آتی ہے۔ کتاب کا انتساب سخت گیری کا شکار دکھائی دیتا ہے. لکھتے ہیں:

> "انتساب بہ----دشمنانِ ہندی کے معتوبِ اول امرت رائے----کاش کوئی اردو والا تاریخ لسانیات میں ان کی انگریزی کتاب (A House Divided) کے برابر یا نصف یا کم از کم ایک چوتھائی علمیت کی کتاب تصنیف کر سکتا آور پدم بھوشن ڈاکٹر گوپی چند نارنگ

> صدر ساہتیہ اکادمی، جن کی کتابیں، امیر خسرو کا ہندی کلام (طبع دوم) اور ہندوستانی قصّوں سے ماخوذ اردو مثنویاں (حصہ دوم) نے بڑے بڑے محققوں کے ہوش اڑا دیے ہیں اور وہ انہیں ہمسر ماننے پر مجبور ہیں "(11)

گیان چند جین نے اپنی اس تحقیقی اور تنقیدی تصنیف میں ہندی اور اردو کا تنازع اور اس کے پس منظر پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے واضح کیا ہے کہ باہر سے آنے والے مسلمان اپنے اردو زبان یا کھڑی بالی نہیں لائے تھی۔ دلی اور مدھیہ پردیش میں کھڑی بولی اور برج بھاشا بولی جاتی تھی۔ ہندوؤں نے کھڑی بولی کو نظر انداز کیا تو مسلمانوں نے اسے اختیار بھی کیا اور اس میں عربی اور فارسی الفاظ کا اضافہ کیا۔ یہی کھڑی بولی کا ادب بھی قرار پایا۔

کمپنی کے اور مغل حکومت کے دفتروں سے فارسی کو ہٹا کر اردو کو لانا بھی گیان چند جین اردو اور ہندی کی رفاقت کا سنگِ میل قرار دیتے ہیں۔ ہندوؤں نے عدالتوں میں اردو کے علاوہ ہندی کو رائج کرنے کا مطالبہ کیا تو وہ سرسید احمد خان کا دور تھا۔ گیان چند جین کا کہنا ہے کہ اس بات سے سرسید جامے سے باہر ہو گئے۔ دراصل سرسید احمد خان اور ان کے ہم خیال یہ رائے رکھتے تھے کہ ابھی اسلامی حکومت چل رہی ہے وہ ہندوؤں کو اپنے ساتھ لے کر چل سکتے ہیں۔ گیان چند جین کے یہاں یہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے کہ ہندوؤں کا ادبی مسلک باہمی لین دین، رواداری اور اشتراک ہے جب کہ مسلمانوں کے ادب میں انہیں ایسی بات نظر نہیں آتی۔ زبانوں کا تصادم اپنی جگہ مگر حالات ہندوستان میں بھی ایسے ہو گئے کہ وہاں اب پرائمری جماعتوں میں بھی لوگ اپنے بچوں کو انگریزی زبان میں اور انگریزی زبان کی تعلیم پر ہی زور دیتے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر گیان چند جین نے لکھا ہے کہ:

> "اردو کو تعلیم و ترقی کے وہ تمام مواقع ملنے چاہئیں جو اس کی سی صورتِ حال میں دوسری زبانوں کو ملتے ہیں اور جن کی آئین میں ضمانت دی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پرائمری تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہیے۔ بجا لیکن ہندوستان میں ایک عجیب صورتِ حال ہے۔ کہاں کی اردو اور کیسی ہندی، روزگار کے بہتر مواقع کی امید پر ہر خوش حال اپنے بچوں کو انگریزی میڈیم میں بھیجتا ہے۔ مرکزی یونیورسٹی حیدر آباد کے کیمپس میں یونیورسٹی نے چھوٹے ملازمین کے بچوں کے لیے ایک پرائمری سکول کھولا۔ طے کیا کہ اس میں تیلگو میڈیم سے پڑھائی ہو گی۔ تمام استانیوں کے لیے تیلگو میں مہارت رکھنا لازمی قرار دیا گیا۔ جب داخلے ہوئے تو چپڑاسی اور چوکیدار تک نے صاف انکار کر دیا کہ وہ بچوں کو تیلگو میڈیم سے نہیں، انگریزی میڈیم سے پڑھائیں گے۔ تیلگو کا حامی ایک بھی نہ نکلا اور وہ سکول انگریزی میڈیم کا بن گیا۔ جو حضرات اردو کے وسیلے سے پرائمری تعلیم کی بات کرتے ہیں وہ اس حقیقت کو سامنے رکھیں کہ کوئی خوش حال شخص اپنے بچوں کو انگریزی کے علاوہ کسی اور زبان میں تعلیم نہیں دلانا چاہتا۔ یہ اردو ہی پر نہیں، ہندی پر بھی صادق آتا ہے "(12)

گیان چند جین نے اردو زبان کے لیے بہت پریشانی کا اظہار کیا۔ آپ کو اردو کے ذریعے تعلیم دینے پر تو کوئی اعتراض نہیں تھا مگر اس کے ذریعے پڑھنے والوں کو روزگار کی ضمانت کون دے گا؟ ہندوستان کے آئین میں Right to work نظر ہی نہیں آتا۔ گیان چند جین اس بات پر نہایت افسوس کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں جب انہوں نے ہندی کے ایک پی ایچ ڈی ڈاکٹر کو لکھنؤ یونیورسٹی میں سڑک کے کنارے فارم بیچتے

دیکھا تو گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ بہت ہی پڑھے لکھے جوان گھروں میں معمولی ملازمت کرتے یا پھر چھوٹے موٹے کام کرتے پھرتے ہیں۔ یہ تشویش ناک حالت خون کے آنسو رلانے کے لیے کافی ہے۔ ہندوستان میں اردو زبان کہیں مذہب کا شکار نظر آتی ہے تو کہیں علاقائی تعصب کی بھینٹ چڑھادی گئی۔ اور بھی کئی عوامل ہوں گے جو اس کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوں گے اور اردو ہندی تنازع کھڑا ہوا ہو گا۔ مگر پھر بھی اردو زبان نے ہندوستان میں بہت سے ادیب اور شعراء کو شہرت کے بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور اردو سے محبت کی روایت آج بھی قائم و دائم ہے۔ گیان چند جین نے خود اردو زبان سے محبت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

> ”میرا کام اردو ہندی کا موازنہ نہیں ہے، صرف اپنی ذاتی پسند بیان کرتا ہوں۔ مجھے ہندی سے اردو زبان بہتر لگتی ہے“(13)

تحقیق کے نتائج حرفِ آخر نہیں ہوتے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تحقیق کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ اس لیے کبھی کبھی صبح کا تحقیقی نتیجہ شام کو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ اس تحقیقی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے پروفیسر عبد الحق نے گیان چند کے تحقیقی نتائج پیش کیے ہیں۔ گیان چند نے فکر اقبال کو کبھی قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا مگر پھر بھی اقبالیات کا مطالعہ اور تحقیق و تنقید کے میدان میں اترے۔ گیان چند کو اقبال کے شعری محاسن تو بھاتے ہیں مگر اقبال کی حجازی لے انہیں پسند نہیں تھی۔ گیان چند نے اقبالیات پر تحقیقی و تنقیدی کام کرتے ہوئے "ابتدائی کلام اقبال" بہ ترتیب ماہ و سال مرتب کیا مگر متن کے ماہ و سال پر توجہ نہ دے سکے اور یہ تحقیقی کام بہت بڑی گمراہی کا باعث بن گیا۔

پروفیسر گیان چند کی یہ تحقیقی تصنیف 1988ء میں منظر عام پر آئی۔ پہلی اشاعت اردو ریسرچ سینٹر حیدر آباد، آندھرا پردیش کے تحت سامنے آئی اور پھر دوسری بار اقبال اکادمی لاہور نے 2001ء میں اسے شائع کیا۔ گیان چند نے اپنی تحقیق میں ابتدائی مآخذوں کا سہارا انہیں لیا حالانکہ ابتدائی مآخذ تک رسائی بہت آسان تھی جو پروفیسر عبد الحق کی اپنی تصنیف تھی۔ پروفیسر عبد الحق لکھتے ہیں کہ:

> ”مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ راقم کی کتاب کا براہ راست حوالہ نہ دے کر انہوں نے ثانوی ماخذ پروفیسر عبد القوی کی کتاب "اقبال انیسویں صدی" کا حوالہ دیا ہے۔ جبکہ راقم کی کتاب بہ سہولت دستیاب تھی۔ تحقیق میں ثانوی مآخذ کے استناد کو احسن نہیں سمجھا جاتا“(14)

آگے چل کر پروفیسر عبد الحق نے گیان چند کے تحقیقی معیار پر روشنی ڈالی ہے ایک غزل میں "خودی" کا ذکر ہے اور گیان چند نے اس حوالہ سے ایک نوٹ دیا ہے۔

ے خودی نے عطا کی مجھے خود شناسی — مرا حسن، دائم مرے روبرو ہے(15)

اس کے حاشیہ میں پروفیسر گیان چند لکھتے ہیں کہ اس غزل کا زمانہ معلوم نہیں اس کے رنگ اور پختگی کی بنا پر قیاساً یہاں جگہ دی گئی ہے۔ اور پھر "خودی" کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ اقبال کے ذہن میں قدیم زمانے سے خودی کا لفظ اور خودی کا نیا تصور تھا جو یکتا رہا اور بہت بعد میں اسے انہوں نے مثنوی اسرار خودی میں پیش کیا۔ خودی کے تصور کو ذہن میں رکھنے والی بات سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاید گیان چند اس غزل کو انیسویں صدی کی غزل سمجھ رہے ہوں۔ اس کے بعد تحقیق کی راہیں مزید کشادہ ہوئی ہیں اور پاکستان میں ڈاکٹر صابر کلوروی نے اس غزل کو دورِ دوم کے کلام (1909ء تا 1924ء) میں شامل کیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کی تحقیق کے حوالہ سے پروفیسر عبد الحق کہتے ہیں:

"میرا معروضہ یہ تھا کہ انیسویں صدی میں خودی و بے خودی کے تصورات نہیں پائے جاتے
مگر پروفیسر جین نے اپنی تحقیق کی بنیاد دلیلوں پر رکھ کر گمراہ کن نتائج بر آمد کیے ہیں"(16)

پروفیسر گیان چند کے دلائل تحقیقی معیار پر پورا نہیں اترتے۔ انسان کا ذوق بھی ادبی ہونا چاہیے تا کہ وہ اشعار کے رنگ سخن کو پہچان سکے۔ پروفیسر عبدالحق کہتے ہیں کہ گیان چند کے پاس ادبی ذوق لطیف مفقود ہے ایک شعر سے گیان چند نے خطرناک اور متعصبانہ نتائج اخذ کیے ہیں۔

خدا جانے کیا ہو گیا ہندیوں کا کہ اس دیس میں راج ہے دشمنی کا

اس غزل کے ساتھ حواشی میں پروفیسر گیان چند لکھتے ہیں:

"اس کا زمانہ معلوم نہیں۔ چونکہ یورپ سے واپسی کے بعد اقبال وطن کے لیے نہیں
لکھتے تھے اس لیے تیسرے شعر میں ہندیوں کے لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ سفر یورپ سے
قبل کی ہے"(17)

پروفیسر گیان چند ہمیشہ ہی تنگ نظر اور محدود ذہن کا شکار رہے ہیں۔ ہندوستانیوں کو بھڑکانے کے لیے اور اقبال کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے کیسی نامناسب دلیل ہے۔ محقق کو ایسی دلیل سے اجتناب برتنا چاہیے۔ اقبال ہندی فکر و فلسفہ سے خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ اقبال کی تحریروں میں گوتم بدھ کو جو مقام حاصل ہے پروفیسر گیان چند اس سے بھی واقف نظر نہیں آتے۔ اقبال کی شاعری میں "ذہن ہندی" کا خاص طور پر ذکر پایا جاتا ہے۔ شنکر اچاریہ، گوتم بدھ اور بھرتری ہری کے فلسفہ سے اقبال واقف تھے۔ پھر اقبال نے ہندوستان کے لوگوں میں مغرب کے خلاف بیداری کی لہر پیدا کی۔ انہیں بیدار کیا اتنا سب کچھ کرنے کے باوجود پروفیسر گیان چند کا ایسا سوچنا عجیب معنی رکھتا ہے۔

پروفیسر گیان چند نے اور بھی عجیب باتیں اپنی تحقیق میں لکھی ہیں۔ ایک شعر میں "محمد ﷺ" کا ذکر تک نہیں ہے۔ وہاں حاشیہ کسی اور لفظ پر ہے، گھما کر "محمد ﷺ" کے انگریزی ہجوں کی تفصیل کے پیچھے پڑ گئے۔ ایک منسوخ نظم "دین و دنیا" کا ایک شعر دیکھیے۔

ایسے دینداروں سے تنگ آئے ہیں آخر کیا کریں آج سنتے ہیں کہ جمسیٹ جی کے ہاں نیلام ہے(18)

اس کی وضاحت میں غیر ضروری طور پر اضافے کرتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند نے لکھا ہے:

"چمبر میں ڈکشنری کے مطابق "محمدؐ" کے قدیم ہجے MAHOMET تھے انگریزی کی ایک
کہاوت Mountain Comine To Mahmomet میں یہ ہجے موجود ہیں۔ تاشقند کو
انگریزی میں Tashkent لکھا جاتا ہے۔ ہندوستانی بحری افواج کے سابق سربراہ خورشید جی کے
نام کو انگریزی میں "d" کے بجائے "t" پر ختم کیا جاتا تھا اس طرح جمسیٹ تخریب ہے جمشید کی
۔ اقبال نے اس لفظ میں: "ے" کو حذف کر کے جم سٹ باندھا ہے"(19)

یہ انتہائی غیر ضروری وضاحت تھی اور خاص طور پر حضرت محمد ﷺ کے ہجے کے حوالے سے ضرورت نہیں تھی۔ سوامی رام تیرتھ کے حوالہ سے بھی ڈاکٹر گیان چند نے ابتدائی کلام اقبال میں عجیب رائے کا اظہار کیا ہے ڈاکٹر گیان چند نے اقبال کے بارے میں بھی نامناسب

الفاظ استعمال کیے ہیں اور ہندوستان سے محبت پر شک کا اظہار کیا ہے حالانکہ ان کی اپنی ہندوستان سے محبت کی حالت یہ تھی کہ وطن کو خیر باد کہا اور ہمیشہ کے لیے دوسرے وطن جا کر رہنے لگے۔ وہاں بیٹھ کر ہندوستانی تہذیب اور ہندوستانیوں کے خلاف زہر اگلتے رہے۔ اس کتاب میں ان کی کوئی اچھی شکل سامنے نہیں آتی چاہے وہ ادبی ہو یا تحقیقی، قومی ہو یا ملی۔ پروفیسر عبد الحق لکھتے ہیں۔

"اس مذکورہ کتاب میں کہیں واضح اور کہیں بین السطور موصوف کی سوچ بہت کریہہ صورت لے کر ابھرتی ہے"(20)

اس کتاب کی پہلی اشاعت میں ایک غزل شامل تھی جو تحقیق کے بعد اقبال کی ثابت نہ ہوئی بلکہ اس کے خالق خواجہ غلام محمد اقبال بنارسی متوفی 1949ء تھے۔ پروفیسر عبد الحق نے اس بات پر شدید افسوس کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان، اقبال اکادمی لاہور سے شائع ہونے والی دوسری اشاعت 2004ء میں بھی اس غزل کو شامل رکھا گیا ہے۔ اور یہی اشعار ڈاکٹر صابر کلوری نے کلیات باقیات شعر اقبال میں بھی شامل کیے ہیں پروفیسر عبد الحق نے اپنی تصنیف "اقبال اور اقبالیات" میں اس کا ذکر کچھ یوں کیا ہے۔

"اقبال بنارسی کی غزل کے باقی تین اشعار حسب ذیل قرات رکھتے ہیں۔

اک طرف دوست کا اصرار کہ آنکھیں کھولو
اک طرف موت تھپکتی ہے کہ سونا ہو گا

شوق سے آپ نقاب رخ زیبا الٹیں
ہو رہے گا مری قسمت میں جو ہونا ہو گا

ایسے دریا میں سلامت روی نوح کہاں
یار ہونا ہے تو کشتی کو ڈبونا ہو گا

پروفیسر عبد الحق لکھتے ہیں کہ:

"حیرت کی بات ہے کہ حال ہی میں ڈاکٹر صابر کلوروی نے اپنے مرتب کردہ "کلیات باقیات شعر اقبال" میں نقل کردہ ابتدائی تینوں اشعار کو اقبال سے ہی نسبت دی ہے"(21)

ابتدائی تینوں اشعار میں جن کی بابت یہ بحث آگے چلی وہ درج ذیل ہیں:

کب ہنسا تھا جو یہ کہتے ہو کہ رونا ہو گا؟ — ہو رہے گا، مری قسمت میں جو ہونا ہو گا
خندہ گل پہ مجھے آج تو ہنس لینے دو — پھر اسی بات پہ رولوں گا جو رونا ہو گا
ہم کو اقبال! مصیبت میں مزہ ملنا ہے — ہم تو اس بات پہ ہنستے ہیں کہ رونا ہو گا(22)

پروفیسر عبد الحق نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ڈاکٹر گیان چند نے تامل سے کام نہیں لیا۔ یہ ان کا میدان نہیں تھا اور نہ ہی اقبالیات سے ان کی ذہنی ہم آہنگی تھی۔ آپ کی زندگی میں ہی آپ کے مفروضے غلط ثابت ہوئے۔ تحقیق کے لیے جس ذہن کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ڈاکٹر گیان چند کے پاس نہ تھا بلکہ ایک خاص قسم کا ذہن اور سوچ لے کر انہوں نے تحقیق کی اور کئی جگہ ان کی تحقیق کا یہ دھارا نظر بھی آتا ہے۔ تحقیق بھی غور و فکر ہی کے میدان سے جنم لیتی ہے اور یہ غور و فکر ہی ایسی چیز ہے جو نئی راہوں کے دروازے کھولتی ہے۔ اقبال نے واضح طور پر فکر کے نئے راستوں پر چلنے کا سبق دیا ہے۔ اس طرح نئے پہلو سامنے آتے ہیں اور نتائج بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ حرفِ آخر کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن ہمارا رویہ مجموعی طور پر کچھ زیادہ اچھا دکھائی نہیں دیتا۔ اگر کسی کے فکری اور تحقیقی نتائج میں کوئی تبدیلی نظر آ جائے تو اپنا نظریہ پیش کرنا چاہیے نہ کہ دوسروں کو معتوب ٹھہرا کر اسے تنقید اور تحقیق کے میدان کا ابلیس یا راون قرار دے دیا جائے۔ گیان چند جین کو ایسے ہی مرحلوں سے گزرنا پڑا۔

اقبال کبھی ہندوستان کے واقعات اور معاملات سے غافل نہیں رہے مگر ماہرین کے نزدیک گیان چند نے تعصب پیدا کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور ہندوستانیوں کے دل میں اقبال کے خلاف نفرت پیدا کرنے میں خاص کردار ادا کیا۔ آپ کی خدمات اردو زبان و ادب اور اقبالیات کے میدان میں آپ کے دوست ہمیشہ یاد ضرور رکھیں گے۔ آپ نے 19۔ ستمبر 2007ء کو امریکہ میں وفات پائی۔ گیان چند جین کی وفات سے دوستیوں اور تعلقات کے سلسلے موقوف ہو گئے۔ آپ کے بیٹوں نے لاس اینجلس سے بہت دور آپ کو نظر آتش کر دیا۔ آپ کی وفات کو افسوس ناک سانحہ سمجھ کر کچھ اس طرح دل میں صبر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی:

> "گنبدِ افلاک میں غلغلہ مچانے کو باعثِ شرمندگی و شرم ساری سمجھنے والا عظیم محقق چپ چاپ موت کی آغوش میں چلا گیا۔ جین صاحب ہندوستان میں ہوتے تو ان کے انتقال کی اطلاع کسی بین الاقوامی خبر رساں ایجنسی سے جاری کی جاتی۔ ٹی وی اور ریڈیو سے اعلان کیا جاتا۔ لیکن یہ ان کی قسمت میں نہیں تھا۔ ان کے انتقال کے کچھ دن بعد قرۃ العین حیدر گزر گئیں۔ جین صاحب کی موت کی اطلاع جو دھیرے دھیرے پھیل رہی تھی اس کو قرۃ العین حیدر کی موت نے "Over Shadow" کر دیا۔ مجھے یقین ہے اردو والوں نے جین صاحب کی زندگی میں جو ان کے ساتھ ناانصافیاں کیں وہ تاریخ و ادب کا مورخ ہر گز نہیں کرے گا"(23)

گیان چند جین کی وفات سے اردو ادب میں تحقیق و تنقید کا ایک درخشاں باب اختتام پذیر ہو گیا۔ اقبالیات پر آپ کا کام اگرچہ کم ہے مگر آپ کی تحقیق و تنقید میں جگہ جگہ اقبال فہمی کے اشارے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر آپ کو زندگی کی مہلت ملتی تو شاید آپ اقبالیات کے میدان میں مزید کام کرتے۔ شدید تنقید نے آپ کو اقبالیات کے راستے سے ہٹا دیا حالانکہ تحقیق و تنقید میں مخالفت، خیالات کا تصادم اور نظریات میں تضاد ہو ہی جاتا ہے مگر یہ چیز ادبیات میں نئی راہوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ محقق ان راہوں پر گامزن ہوتے ہیں اور علم و ادب کے لیے نئے جوہر کھلتے ہیں۔ گیان چند جین کو جس مخالفت کا سامنا کرنا پڑا وہ تند بادِ مخالف تھی۔ اگر گیان چند جین اس کا مقابلہ کرتے اور اقبالیات کا میدان نہ چھوڑتے تو آپ کی شہرت و عظمت میں مزید اضافہ ہوتا۔ آپ کی وفات کے بعد بھی لوگوں نے جفا سے توبہ نہ کی اور محبانِ گیان چند دکھ کا اظہار کرتے اور ہاتھ ملتے ہی رہے۔ دوستوں نے لکھا:

"گیان چند نے اردو زبان اور لسانیات پر قابلِ قدر کام کیا اور وہ خوب نوازے بھی گئے لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کو اس طرح یاد کیا گیا جیسے مسلمان ابلیس کو اور ہندو راو ن کو یاد کرتے ہیں۔ کہ وہ بڑا عالم فاضل تھا لیکن اعمال اچھے نہ تھے۔ گیان چند کو ان کی آخری کتاب کی وجہ سے ان کی زندگی ہی میں نہیں ان کی موت کے بعد بھی ملعون کیا جا رہا ہے۔ اگر کسی زبان کے معاشرے میں اتنی عدم رواداری پیدا ہو جائے تو پھر اس کا سیکولر اور جمہوری نظام مشکوک ہو جاتا ہے"(24)

آپ نے اپنی آخری کتاب لکھ کر پاک و ہند کے اردو زبان و ادب کے ماہرین کو ترغیب دی۔ لوگوں نے کچھ لکھنا تو شروع کیا تھا اور کیا؟ اپنی توپوں کا رخ گیان چند جین کی طرف کر دیا۔ اس سب کے باوجود گیان چند جین کے تحقیقی کارنامے اردو ادب اور اقبالیات کے طلباء کی راہنمائی کرتے رہیں گے اور ادبی دنیا علم کے اس چراغ سے ضوفشاں ہوتی رہے گی۔

حوالہ جات:

(1) نثار احمد فاروقی۔ مضمون، پروفیسر گیان چند اور تحقیق کا فن، مشمولہ، نیا ورق، جلد10 شمارہ28، مدیر، ساجد رشید (ممبئی: عمر کھاڑیکر اس لین، اکتوبر تا دسمبر 2007ء) ص38

(2) گیان چند جین، تحقیق کا فن، تاثرات، ڈاکٹر طارق ہاشمی (فیصل آباد: روبی بکس ماڈل ٹاؤن، 2018ء) ص8

(3) گیان چند جین، تحقیق کا فن، ص134

(4) گیان چند جین، تحقیق کا فن، ص180

(5) گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو مثنوی شمالی ہند میں، جلد اول (دہلی: انجمن ترقی اردو، دوسرا ایڈیشن، 1987ء) ص10

(6) میر تقی میرؔ، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ، ڈاکٹر عبادت بریلوی (کراچی: اردو دنیا، نمبر4، بہادر شاہ مارکیٹ، بندر روڈ، 1958ء) ص4

(7) گیان چند جین، ڈاکٹر، اردو مثنوی شمالی ہند میں، صفحہ 105

(8) گیان چند جین، مضمون، اقبال کے اردو کلام کا عروضی نظام، مشمولہ، اقبال کا فن، مرتبہ، گوپی چند نارنگ (نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، اشاعت دوم 1989ء) ص105

(9) گیان چند جین، ڈاکٹر، حقائق، الہ آباد: نیشنل آرٹ پریس، جون 1978ء، ص140

(10) آلِ احمد سرور، ادب اور نظریہ (لکھنو: سرفراز پریس ادان محل روڈ، 1954ء) ص140

(11) گیان چند جین، ایک بھاشا۔ دو لکھاوٹ، دو ادب (دہلی: عفیف پرنٹرس، لال کنواں، 2005ء) ص V

(12) گیان چند جین، ایک بھاشا۔ دو لکھاوٹ، دو ادب، ص279

(13) گیان چند جین، ایک بھاشا۔ دو لکھاوٹ، دو ادب، ص282

(14) عبد الحق، پروفیسر، اقبال۔ شاعر رنگیں نوا، اقبالیاتی تحقیق میں ڈاکٹر گیان چند کی نارسائیاں، ص175

(15) گیان چند، ڈاکٹر، ابتدائی کلام اقبال (حیدر آباد: اردو ریسرچ سینٹر آندھرا پردیش، 1988ء) ص216

(16) عبد الحق، پروفیسر، اقبال شاعر رنگیں نوا، اقبالیاتی تحقیق میں ڈاکٹر گیان چند کی نارسائیاں (نئی دہلی: اصیلا پریس، دریا گنج، مئی 2009ء) ص176

(17) گیان چند، ڈاکٹر، ابتدائی کلام اقبال، ص207

(18) گیان چند، ڈاکٹر، ابتدائی کلام اقبال، ص150

(19) گیان چند، ڈاکٹر، ابتدائی کلام اقبال، ص153

(20)عبدالحق، پروفیسر، اقبال شاعر رنگیں نوا، اقبالیاتی تحقیق میں ڈاکٹر گیان چند کی نارسائیاں، ص178
(21)عبدالحق، پروفیسر، اقبال اور اقبالیات، اقبال کی تحریروں میں تحریف (سرینگر: بٹہ مالو میزان پبلشرز رجسٹرڈ، 2009ء) ص119
(22)گیان چند، ڈاکٹر، ابتدائی کلام اقبال، ص117
(23)بیگ احساس، مضمون، گوشۂ گیان چند جین پر کچھ باتیں، مشمولہ، نیاورق، جلد نمبر10 شمارہ28، ص19
(24)ساجد رشید، مدیر، اداریہ، مشمولہ، نیاورق، جلد10 شمارہ28، اکتوبر تا دسمبر2007ء، ص12

References:

(1)Nisar Ahmad Farooqi, Article, Professor Gian Chand Aur Tahqiq Ka Fan, included in Naya Warq, Vol. 10, No. 28, Editor, Sajid Rashid (Mumbai: Omar Khadri Cross Lane, October-December 2007), p. 38
(2)Gian Chand Jain, The Art of Research, Comments, Dr. Tariq Hashmi (Faisalabad: Ruby Books Model Town, 2018), p. 8
(3)Gian Chand Jain, Tahqiq Ka Fan, p. 134
(4)Gian Chand Jain, Tahqiq Ka Fan, p. 180
(5)Gian Chand Jain, Urdu Mathnavi Shumali Hind Main, Vol. 1 (Delhi: Anjuman Tarqi Urdu, Second Edition, 1987), p. 10
(6)Mir Taqi Mir, Kalyat-e-Mir, edited by Dr. Ibadat Barelvi (Karachi: Urdu Dunya, No. 4, Bahadur Shah Market, Bandar Road, 1958) p.4
(7)Gian Chand Jain, Urdu Masnavi Shumali Hind Main, page 105
(8)Gian Chand Jain, Essay, Iqbal Urdu Kalam ka Aroozi Nizam, including, Art of Iqbal, Martaba, Gopichand Narang (New Delhi: Educational Publishing House, Second Edition, 1989), p. 105
(9)Gian Chand Jain, Haqaiq, Allahabad: National Art Press, June 1978, p. 140.
(10)Ali Ahmad Sarwar, Adab Aur Nazria (Lucknow: Sarfraz Presnadan Mahal Road, 1954) p. 140
(11)Gian Chand Jain, Aik Bhasha Du Likhawat, Du Adab (Delhi: Afif Printers, Lal Kanwan, 2005) p. V
(12)Gian Chand Jain, Aik Bhasha Du Likhawat, Du Adab, p. 279
(13)Gian Chand Jain, Aik Bhasha Du Likhawat, Du Adab, p. 282
(14)Abdul Haq, Iqbal. Shair e Rangeen Nawa, Aqbali Taqiq Main Dr. Gian Chand Ki Na Rasaiyan, p. 175
(15)Gian Chand, Ibtadai Kalam Iqbal (Hyderabad: Urdu Research Centre Andhra Pradesh, 1988) p. 216
(16)Abdul Haq, Iqbal Shair Rangeen Nawa, Aqbali Taqiq Main Dr. Gian Chand Ki Narasayan (New Delhi: Asila Press, Darya Ganj, May 2009) p. 176
(17)Gian Chand, Ibtadai Kalam Iqbal, p. 207
(18)Gian Chand, Ibtadai Kalam Iqbal, p. 150
(19)Gian Chand, Ibtadai Kalam Iqbal, p. 153
(20)Abdul Haq, Iqbal. Shair e Rangeen Nawa, Aqbali Taqiq Main Dr. Gyan Chand Ki Na Rasaiyan, p. 178

(21)Abdul Haq, Iqbal Aur Iqbaliyat, Iqbal Ki Tehreeroon Main Tahrif (Srinagar: Battamalu Meezan Publishers Registered, 2009) p. 119

(22)Gyan Chand, Ibtdai Kalam Iqbal, p. 117

(23)Baig Ehsaas, article, Gosha e Gayan ChandJ an Per Kuch Batain, included in Nia Warq, vol. 10, issue 28, p. 19

(24)Sajid Rashid, editor, Idaria, included in Nia Warq, vol. 10, issue 28, October to December 2007, p. 12